تب و تابِ جاودانہ

تب و تابِ جاودانہ

اسلامی جہادی ناول

۲۰ شوال ۱۴۳۱ھ

ماخذ:
نوائے افغان جہاد

تعاون کے لئے شکر گزار:
مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
www.muwahhideen.tk

پیشکش:
الرباط مرکز نشریات
www.ribatmedia.tk

بہن کے منتظر بھائیوں کو ایک اور بھائی کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تو وقتی طور پر اداسی کی ایک لہر آئی اور گزر گئی۔ پھول سے خوبصورت معصوم بھائی کو دیکھ کر سب ہی لٹو ہو گئے۔ یہ منے میاں ایسے وقت تشریف لائے جب باقی بھائی بڑے ہو چکے تھے۔ للٰہذا یہ سب کا کھلونا، سب ہی کی آنکھوں کا تارا تھے۔ کوئی ہاتھ چوم رہا ہوتا تو کوئی پیر۔ ایسا والہانہ استقبال اور ایسی بے پناہ محبتوں کی بوچھاڑ کم ہی کسی کے حصے میں آئی ہو گی۔

مصعب کی آمد ملک میں بے پناہ سیاسی شور شرابے کے دور میں ہوئی تھی۔ زنانہ حکمرانی اور جیالی سیاست اہل دین کے گلے کا پھانس بنی ہوئی تھی۔ تحریک آزادیٔ کشمیر ایک نئے ولولے کے ساتھ از سر نو زور پکڑ چکی تھی، جہاد، شہادت، چندے اکٹھے کرنے کی گرما گرمی تھی۔ اس فضا میں یہ بچہ پروان چڑھ رہا تھا۔ قبل ازیں جنگِ خلیج کے تکلیف دہ مناظر، اس پر کڑھتا دل، بہتے آنسو 'مصعب دنیا میں آنے سے پہلے جذب کر چکا تھا۔ عالم اسلام پر ٹوٹ پڑنے والی بلائیں، امریکی فوجوں کا مقدس سرزمین پر فوجی اڈے قائم کرنا، جزیرۃ العرب پر عراق کویت جنگ کے بہانے یلغار، امریکی بحری بیڑوں کے ذریعے کراچی کے ساحل سے لے کر صومالیہ تک بحری گزرگاہوں پر آج مکمل ہونے والے قبضہ کے ابتدائی مراحل کا غم گھونٹ گھونٹ اندر اتر رہا تھا۔ گریٹر اسرائیل کے منصوبے کے تحت مکہ، مدینہ کی ناکہ بندی اور گھیراؤ قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ مومن روحیں ایک کربِ مسلسل کا شکار تھیں اور امت کے افق پر امڈتی تاریک راتوں سے دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔ اس کے اثرات آنے والی روح پر مرتب ہونا کوئی انہونی بات نہ تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ چھوٹی سی عمر میں سیاسی فکر، امت کا درد، جذبۂ جہاد کی ننھی منی باتیں سامنے آتیں تو سب حیران ہو جاتے۔ مثلاً ایک بار چار پانچ برس کی عمر میں منے مصعب نے 'ایک خاتون سیاست دان 'جو ملک فروشی اور بدعنوانی کی بنا پر مشہور تھی' کے حوالے سے پوچھا: ''امی! یہ ان صاحبہ کو کس نے بنایا ہے؟''

سوال کچھ عجیب تھا للٰہذا حیران ہو کر یہی جواب دیا کہ بیٹا سب ہی کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور اُن کو بھی 'تو منے میاں بے حد حیرانی سے بولے ''اچھا!!''

کارگل کی جنگ میں شہادتوں کے تانتے بندھے ہوئے تھے' دھڑادھڑ خبریں آرہی تھی۔ یہ حضرت اس وقت بمشکل سات سال کے ہوں گے'ماں کی آنکھوں سے آنسوئوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ پیچھے پلٹ کر دیکھا تو منے میاں توروشن، چمک دار چہرہ لیے، باچھیں کھلائے شہادت کی خبریں وصول کررہے تھے۔ماں کے بہتے آنسو دیکھ کر حیران ہو کر کہنے لگے:

''یہ کیا؟ایک طرف شہادت کا درس دیتی ہیں کہ بہت اچھی واپسی ہے،دوسری طرف آپ رورہی ہیں؟آپ کو تو خوش ہونا چاہیے ناں!!''

بچے کا ذہن شفاف شیشے کی مانند ہوتا ہے۔جو کچھ اسے بتایا جاتا ہے وہ بلا کم وکاست پوری سچائی کے ساتھ اس کا مکمل عکس قبول کرلیتا ہے۔اس آئینہ کے سامنے جس شخصیت کو چاہیں کھڑا کردیں،آئینہ میں وہ عکس پوری طرح منعکس ہو جائے گا۔چاہیں تو خالد بن ولید،سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی شخصیتیں کھڑی کردیں، شخصیت کے خدوخال اسی کے مطابق ابھریں گے۔آج کل بچوں کی تربیت کے حوالے سے جو احتیاط برتی جانی چاہیے وہ عنقا ہے۔یہ تو اللہ تعالی کی عطا ہے کہ وہ چھپر پھاڑ کر اپنی رحمتِ خاص سے کوئی اعلیٰ کردار جھولی میں ڈال دے ورنہ سچی بات ہے کہ ہم تربیت کا حق ادا نہیں کر پارہے۔ظاہر سازی، ملمع سازی بہت بڑھ چکی ہے اندر تک اتر جانے والی تربیت کے لیے والدین کے پاس فرصت نہیں۔زندگی کے فالتو جھمیلے، سیریں، دعوتیں، شادیاں، کھیل تماشے اتنے ہیں کہ اس افراتفری میں بچے کی کردار سازی جیسا توجہ طلب کام ممکن نہیں رہا۔

یہ اللہ ہی کی عطا تھی کہ مصعب نے گردوپیش سے مثبت زیادہ اور منفی اثرات بہت کم قبول کیے،وہ بچپن ہی سے حق وباطل کے واضح تصورات رکھتا تھا۔حق کی تلاش اور اس سے محبت کا اظہار، باطل کی پہچان اور اس کے لیے واشگاف اظہارِ نفرت اس کی طبیعت کا خاصہ تھا۔حتیٰ کہ عالمی فٹ بال میچ دیکھنے میں بھی پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ دونوں ٹیموں میں سے بہتر کون ہے؟یعنی مسلمانوں کے حق میں کم ضرررساں کون سا ملک ہے؟ کس کا ساتھ دوں، کس کی فتح بہتر ہے۔

ہنستا کھکھلاتا گلاب کا پھول سب ہی کی آنکھوں کا تارا تھا۔خوش مزاجی،دین کے لیے وارفتگی،سیاست کا رسیا..... عجیب امتزاج تھا۔اسکول جانے کے لیے اٹھانا گہری نیند سے کارے دارد ہوتا لیکن جہاں اسے یہ کہا اٹھو اخبار آگیا ہے، فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔آنکھیں ملتا، چھینا جھپٹی کرکے اخبار پر قبضہ جمابیٹھتا۔امت کی خبریں، ملکی سیاست اور امریکہ کی بربادی کا خواب آنکھوں میں لیے وہ اخبار

پڑھتا۔اس کی عمر نو،دس سال ہو گی' جب بش پہلی ٹرم کا انتخاب لڑ رہا تھا۔امریکہ میں انتخاب کے نتائج آنے تھے اور ہم دونوں پورا دن کہیں قریب ہی کے سفر میں گھر سے باہر تھے۔منے میاں بار بار مجھ سے پوچھتے:''نتیجہ آگیا یا نہیں، کس سے پتہ کریں؟''اس کی بے قراری ساتھیوں کے لیے حیران کن تھی کہ امریکہ کے انتخابات میں اسے اتنی گہری دل چسپی کیوں ہے؟شاید انہیں یہ احساس نہ تھا کہ اللہ کا خلیفہ دنیا کی امامت کے لیے بھیجا گیا ہے،وہ دنیا کے حالات سے لاتعلق،بے خبر کیوں کر رہ سکتا ہے؟یہی کچھ مصعب کے خمیر میں تھا،اسلام کے لیے حد درجہ غیور۔وہ جانتا تھا کہ وہ کس گردوں کا ٹوٹا ہوا تارا ہے اور اسے کھوئی ہوئی عظمت واپس لینے کے لیے اپنا حصہ ڈالنا ہے۔

شرارت اور خوش دلی اس کے رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی۔گھر میں جہاں کسی کا موڈ بگڑا،یہ خاموشی سے اس کے پیچھے لگا دیا گیا۔نہایت چابکدستی سے دھیان بٹا کر اپنی کھٹی میٹھی باتوں سے موڈ کی کڑواہٹ کا مداوا کر دیا کرتا۔چھوٹا ہونے کی بنا پر گھر کے چھوٹے بڑے مسئلوں میں ماں کی عادت تھی کہ اسے اللہ کے دربار میں بھیجا جاتا۔''مصعب!دیکھو ایک صلوٰۃ الحاجت تو پڑھ دو،اللہ تمہاری زیادہ سنتا ہے،ابھی چھوٹے ہو،اللہ کے لاڈلے ہو،گناہوں کا بوجھ کم ہے....''اور وہ بڑے ناز اور مان سے اللہ کے دربار میں جا کھڑا ہوتا۔اللہ تو یوں بھی نامراد کسی کو نہیں لوٹاتا،اور اُس پر تو وہ زیادہ ہی مہربان تھا۔اللہ سے اس کی محبت اور چاہت چپکے چپکے پروان چڑھتی رہی۔اس کی اس نے کسی کو خبر نہ ہونے دی،بظاہر وہ چلبلا،نچلا نہ بیٹھنے والا،حد درجہ محفل آرائی اور دوستیوں کا شوقین.....جب اسے اور دوستوں کے گھر جانے کی کھلی چھٹی نہ ملتی تو چیں بچیں ہو جاتا۔ماں کو پہروں اسے توجہ دینی پڑتی تاکہ وہ غیر ضروری دوستیوں میں نہ پڑے۔

''نہیں بیٹا!یونہی ادھر ادھر کی دوستیاں نہیں کرتے،بے جانے بوجھے جگہ بہ جگہ تمہیں کھیلنے نہیں جانا چاہیے۔ماحول بہت خراب ہے،تمہاری حفاظت اور نگہداشت ہمارا فرض ہے بیٹا!تمہیں روکتے ہیں تو برا نہ مانو،تمہارے ہی بھلے کے لیے ہے۔''وہ جز بز ہوتا تو اسے کسی نہ کسی مشغولیت کے حوالے کر کے توجہ ہٹادی جاتی۔بڑے بھائیوں کا تو وہ من بھاتا کھلونا تھا۔کشتیوں کے داؤ پیچ اسے سکھائے جاتے اور کبھی کبھی اس پر آزمائے بھی جاتے۔دستر خوان پر ہمیشہ دو پارٹیاں بنی رہتیں۔ایک خوش مزاج پارٹی،دوسری سنجیدہ پارٹی۔دو بھائی اور ماں ایک طرف،والد اور باقی گھر والے دوسری طرف۔ایسے میں کن انکھیوں سے شرارت،بوٹی'روٹی کا اچکنا،آہستگی سے ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا۔کبھی ابو سے ڈپٹ لگ جاتی۔''کبھی تو تم لوگ سنجیدہ ہو جایا

کرو۔'' مسکراہٹیں سمیٹ کر سنجیدگی کی کوشش میں یہ جملہ اکثر پھسل جاتا۔ ''آپ لوگ تو کریلے کے کھیت میں اگے تھے اور ہم گنے کے کھیت میں پیدا ہوئے تھے، سو یہ مسئلہ تو رہے گا!''

نائن الیون کے وقت وہ دس سال کا تھا۔ باہر کھیل رہا تھا تو کسی نے خبر دی۔ لپکا دوڑا گھر چلا آیا۔ حیرت بھری خوشی اس پر طاری تھی۔ کفر کے لیے غیظ و غضب یوں کوٹ کوٹ کر اس کے اندر بھرا ہوا تھا کہ نتائج و عواقب سے بے نیاز کفر کو لگنے والی ہر ضرب اسے محبوب تھی۔ شاید اس لیے کہ اس نے دنیا میں ہوش سنبھالتے ہی چہار جانب عراق کویت جنگ خلیج، بوسنیا، فلسطین، کشمیر.... ہر جگہ کفر کو چیرہ دست دیکھا تھا۔ عقلِ عیار والی دانشوری تو اس ننھے سے دل و دماغ میں پنپ نہ سکی تھی، بس مسلمانوں کا دشمن اس کا دشمن تھا' اس کی خوشیاں مسلمانوں کی فتوحات سے اور اس کے غم مسلمانوں کے دکھوں سے منسلک تھے۔

اسی دوران خاموشی سے اس نے حفظ بھی ڈیڑھ پونے دو سال میں مکمل کر لیا۔ یہ مرحلہ توقع کے برعکس آسانی سے سر ہو گیا۔ لب و لہجہ اس نے خود قرآن پاک کے ٹیپ سن سن کر بنالیا۔ اس کی نقالی کی صلاحیت بہت زبردست تھی۔ جہاں گھر میں اس کی شرارت بھری نقالی سے سب لطف اندوز تھے، وہیں یہ عادت زبان اور لہجہ اپنانے میں اس کی مدومعاون بھی بنی۔ عربی، انگریزی دونوں کے لہجے اور تلفظ میں یہ صلاحیت اس کے بہت کام آئی۔ وہ عام حالات میں صاف ستھری اردو بولتا جب کہ انگریزی میں زبردست accent بنا کر اسے شرارت اور ہتھیار دونوں طرح استعمال کرتا۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں اس کی فراخ دستی زبردست تھی۔ عیدی ملے یا بھائیوں سے تحفے میں پیسے، وہ سب سے پہلے کبھی ستر اور کبھی اسی فیصد ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہتا یہ اللہ میاں کے پیسے ہیں، انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر دیجیے اور اللہ کے وعدوں کے مطابق اس کا ہاتھ کبھی تنگ نہ ہوتا۔ ادھر مال خرچ کرتا اور اُدھر سے اور مل جاتا۔

مصعب میاں کی دوستیوں کا انداز بھی نرالا تھا۔ کھیل کود اپنی جگہ، لیکن پندرہ سولہ سال کی عمر میں وہ والد صاحب کی عمر کے لوگوں کو دوست بناتا یا پھر بڑے بھائیوں کے دوستوں کی صحبت پسند کرتا۔ یہ حیرت انگیز بات تھی کہ یہ بڑے بھی اسے شرفِ دوستی بخشنے میں حد درجہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے۔ حفظ مکمل کرنے پر واپس اسکول گیا تو ''اولیول'' کا پہلا سال تھا۔ لیکن اس کے غیور مزاج سے یہ پڑھائی میل نہ کھاتی تھی۔ جب اسکول کے نصاب میں مغل فرماں رواں اورنگ زیب عالمگیر (رح) کے بارے میں پڑھایا

گیا اور مغرب کی متعصب آنکھ سے جب اس کے سامنے اُن کے بارے میں منفی تذکرے ہوئے تو وہ سراپا احتجاج بن کر کھڑا ہو گیا۔ ٹیچر نے کہا: ''جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ پرچے میں لکھو گے تو نمبر نہیں ملیں گے۔'' مگر اسے نمبر، گریڈ اور کیریئر سے بڑھ کر کچھ اور عزیز تھا۔ یہ نکتہ آغاز تھا۔ جس منزل کی طرف قدم بقدم وہ بڑھ رہا تھا، یہ راستہ وہ نہ تھا، لہٰذا اس نے میٹرک کرنے کی ٹھانی۔ فیصلہ درست تھا لہٰذا اس کے حق میں یہی طے پایا۔

بڑے بھائیوں کے پڑھائی اور نوکری میں گھر سے چلے جانے کے بعد وہ ماں کا پروانہ وار طواف کیا کرتا تھا۔ اسے ہر لمحے کی کمپنی اور گپ شپ درکار تھی۔ اسکول کی ہر بات، عالمی حالات، چٹکلے، اٹھکیلیاں سب ہی کچھ اسے کرنا ہوتیں۔ کچن میں کام کرتی ماں کو آہستگی سے آکر ایک دم ڈرا دینا اور پھر خوب ہنسنا۔ چٹورپن بھی طبیعت میں تھا، لہٰذا باہر سے کوئی چیز لاتا اور اماں کو ڈھونڈتا پھرتا۔ اس لیے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاتا جب تک ماں کو حصہ دار نہ بناتا۔ ماں کی کتابوں، رسالوں اور اخبار کا دشمن...... ''نہیں یہ سب آپ چھوڑ دیں، مجھ سے باتیں کریں۔''

بعض اوقات ماں بھی الجھ جاتی: ''تم مجھے کچھ کرنے نہیں دیتے؟'' اتنی توجہ تو کسی بچے نے بھی ماں سے نہ مانگی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ توجہ وہ اپنے اندر سمیٹ کر کسی اور دنیا کی تیاری کر رہا تھا۔ رات رات بھر اسے کمپیوٹر پر بیٹھا دیکھ کر فکر کی ایک لہر سی ماں کے دل میں اٹھتی تھی۔ ماحول کا بگاڑ دیکھ کر طرح طرح کے وہم اس کے دل میں سر اٹھاتے۔ اسی فکر میں ایک دن جو چھان بین کی تو کمپیوٹر پر جہاد کے موضوع پر اردو و انگریزی میں دنیا بھر کے علمائ اور اسکالرز کی تقاریر، قرآن پاک کی تلاوت اور جہادی ترانے ڈاؤن لوڈ کیے ہوئے تھے۔ اللہ سے چپکے چپکے جو لو لگا رکھی تھی، اُس کا راز کھل گیا تھا۔

فرسٹ ائیر کا امتحان دے کر بالآخر وہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ اجازت کا مرحلہ سر ہو چکا تھا۔ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ چمکتے چاند چہرے کے ساتھ وہ تیاری میں مصروف تھا۔ بڑا ہو جانے کے بعد ماں سے حیا کا ایک فاصلہ حائل ہو چکا تھا لیکن اس دن وہ ماں کا ماتھا چومنے آگے بڑھا، جھجکتے جھجکتے...... ماں نے پیار کیا اور پیار لیا، دعائیں دیں اور ماں کی محبت سمیٹ کر نم آنکھوں کے ساتھ وہ باہر جانے کو نکلا۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس مبارک راستے کی مشکلات اور طوالت کا ذکر ہوا:

''بیٹا! شہادت جس کی تم تمنا رکھتے ہو، بہت اونچی چیز ہے۔اس کے لیے سالہا سال لوگ تڑپتے ہیں، یہ نعمت آسانی سے نہیں ملتی، تمہیں بھی ابھی اس معیار تک پہنچنے کو بہت کچھ کرنا ہوگا۔خدمت گزاری اور عاجزی سیکھو اور قرآن پاک کو پکا کرو۔جاؤ اللہ تمہارا مددگار ہو۔'' وہ سب سے مل کر چہکتا ہوا خوش خوش روانہ ہوگیا۔

اس کے جانے پر گھر بھر پر سناٹا سا طاری ہوگیا۔دروازہ کھلتا لیکن دہلیز پر کھڑے ہوکر کھنکھناتے لہجے میں سلام کی آواز نہ ہوتی۔ماں باہر نکلتی تو اکثر و پیشتر ساتھ جانے والا یہ محرم موجود نہ ہوتا۔ہر قدم پر ایک سرسراہٹ سی محسوس ہوتی۔

''یہ آپ سٹریپ والے جوتے نہ خریدا کریں، بند نہیں کرتیں، رکیں......'' اور ہر دفعہ قدموں میں بیٹھ کر جب وہ سٹریپ بند کرتا اور واپسی پر کھولتا تو اس کی عزت اور سربلندی کے لیے دعا دل سے اٹھتی۔

''مصعب! وہ میرا دشمن جاں......'' ماں اسے آواز دیتی اور وہ جھاڑو بردار آ کھڑا ہوتا......اور تکبیر بلند کرکے ماں کے دشمن پر پل پڑتا اور صفائی کرکے مجھے بلاتا۔''آجائیں میں نے صفایا پھیر دیا۔'' وہ ماں کو تکلیف دینے والی مخلوق پر اسی جذبے سے حملہ آور ہوتا گویا وہ کفر کی فوجوں سے نمٹنے کی مشق کر رہا ہے۔ایسے میں ماں کے دل سے بے اختیار دعا نکلتی:

''اے اللہ! اس نے میری راہ سے ناگواری دور کی، تو اسے ناگواری سے بچانا۔''

کئی دعائیں اکٹھی ہوگئیں تھیں، آخر ان کی قبولیت کا لمحہ آن پہنچا۔عزت، سربلندی، ہر ناگواری کے خلاف دائمی تحفظ.... ''لا خوف علیم ولا ھم یحزنون'' کے ابدی قافلے میں شمولیت... جس کے لیے اقبال جیسے فرزانے نے دیوانہ بن کر خواہش کی تھی۔

عطا اسلاف کا سوزِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

اور مصعب کی تڑپ رنگ لائی۔ اس کے ایک جگری دوست نے خواب میں اسے یوں دیکھا کہ وہ خوشی سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا: ''بھائی! میں کامیاب ہو گیا، بھائی! میں کامیاب ہو گیا۔''

کامیابی کی نوید گھر پہنچی۔ پہلے مصعب کا ایک پرانا خط ملا، جس میں اس نے کفر کی فوج کے خلاف معرکوں میں شرکت اور کامیابیوں کا تذکرہ کیا تھا، تربیت کی سختی کا بھی ذکر تھا۔ وہ جو کھانے پینے کا دلدادہ تھا، سفرِ شوق میں آدھی روٹی دن بھر میں کھا کر سنگلاخ پہاڑوں، چٹانوں میں سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کے نقشِ پا ڈھونڈ رہا تھا۔ تربیت کی سختی میں پھٹ جانے والے جوڑے پر اپنے ہاتھوں سے ٹانکے بھرنے کا تذکرہ بھی تھا۔ وعدے کی مدت ختم ہو رہی تھی۔ اسے اب لوٹنا تھا، لیکن خط میں واپسی کب کے آگے سوالیہ نشان لگا کر اس نے چھوڑ دیا تھا۔

اس سوالیہ نشان کا جواب دینے والا خط بھی ساتھ ہی تھا۔ اسے کھولا تو چہرے پر پھیلی مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے زلزلے کی نذر ہو گئی۔ ''آپ کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کا بیٹا قبول کر لیا۔ کفر کی فوجوں سے لڑتے ہوئے مصعب شہید ہو گیا ہے۔ یہ وہ لمحہ تھا جو ساری سعادتوں اور بشارتوں سمیت امتحان کا کڑا لمحہ تھا۔ شعوری زندگی میں ایمان کی پہچان پانے کے بعد تیس سالوں کے تمام اسباق کے امتحان کا لمحہ! وہ تھیوری تھی اور یہ پریکٹیکل۔ اس امتحان میں ناکامی سے تو زندگی بھر کی کمائی لٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ مہربان مالک نے بڑھ کر تھام لیا۔ ''ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم'' وہ سننے جاننے والا ماں کے ساتھ تھا۔ ''انني معكما اسمع و اری'' پھر باپ بھی آ گیا.... بے پناہ مضبوط دل کے اندر بھی چھناکا تو ہوا لیکن کرچیوں کی آواز باہر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ ساتھ تھا امتحان کے اس لمحے میں۔ شکر گزاری، قبولیت کی دعا، درجات کی بلندی، اپنے لیے شایانِ شان ثبات اور صبر مانگا اور دینے والے نے بھر بھر کر دیا۔ مالک کی شانِ کریمی یہ ہے کہ راستہ خود دکھاتا ہے اور اپنے فضلِ خاص سے چلنے کی توفیق اور اذن بھی دیتا ہے، پھر کئی گنا اجر کے وعدے کر کے حوصلہ افزائی کرتا چلا جاتا ہے اور پھر امتحان کے لمحوں میں کہیں تنہا نہیں چھوڑتا۔ کام سب اسی کی مدد اور توفیق سے ہو رہے ہوتے ہیں اور اس کے باوجود اجر اور کریڈٹ اپنے بندے کی جھولی میں ڈال دیتا ہے 'ان ربی لغفور شکور' موت اور شہادت کا فرق صرف شہید ہو جانے والے کے لیے نہیں ہے۔ پیچھے رہ جانے والے بھی بچشمِ سر اس کو دیکھتے ہیں۔ صبر و سکینت کی ایک ایسی ٹھنڈک جس میں تڑپ کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ اس لیے کہ قرآن کے صفحات اور احادیث کی بشارتیں شہید کی زندگی اور راحتوں بھری زندگی پر گواہ ہیں۔ جوان بیٹے کا مستقبل محفوظ ہو گیا تھا، اس کا کیریئر بن گیا تھا۔ بے مثال حسن کی مالک بہو والدین کو مفت میں مل گئی تھی، نہ جوتیاں گھسانی پڑیں نہ کسی کا منت کش احسان ہونا پڑا۔ وہ پی ایچ ڈی کر لیتا، کسی

ملٹی نیشنل کمپنی میں دو لاکھ ماہوار پر مامور ہو جاتا، لیکن مستقبل تو پھر بھی مخدوش ہی رہتا۔اب وہ ساری ڈگریاں سمیٹ کر امتحانِ زندگی میں بہت جلد سرخرو ہو کر دربارِ عالی میں حاضر ہو گیا تھا۔ حفظِ قرآن کی ڈگری، تین سال تراویح پڑھانے اور اعتکاف کی ڈگری، فی سبیل اللہ جہاد کی ڈگری (خالص جہاد، کفر کی فوج کے خلاف صف آرائی ہو کر، مسلمانوں کے شکار پر مامور ہو کر نہیں!)،اور بالآخر شہادت کی ڈگری! آج ہم پلاٹوں اور قبضہ گروپوں رئیل اسٹیٹ کے کاروباروں کی دنیا میں ہیں۔وہ ستتر (۷۷) پلاٹوں کا کوٹہ لے کر وہاں جا بیٹھا، جس ''رئیل اسٹیٹ''کا چپہ چپہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے(بحوالہ حدیث)۔ستر پلاٹ شہادت کے اور سات پلاٹ حفظ قرآن کے۔ یہ پلاٹ عسکری پلاٹ ہیں جو اللہ کی راہ کے عسکریوں کے لیے وعدہ کیے گئے ہیں،اس جنت میں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ جہاں ہر طرف عظیم الشان سلطنت کا سروسامان نظر آئے گا۔جوان بچے کی جدائی پر بھی گھر والوں کو پر سکون دیکھ کر دنیا حیران ہوتی ہے۔

''بڑے سخت دل اور عجیب لوگ ہیں، چھوٹا سا بچہ بھیج دیا اور اب ایسے بیٹھے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں!!''

''یہ کہاں اٹھتا بیٹھتا تھا؟اسے کس نے برین واش کیا؟''

ارے! قرآن کھول کر تو دیکھو،اسے اسی نے برین واش کیا جس نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چھوٹی چھوٹی عمروں میں اپنا اسیر کر لیا تھا اور کافر منافق چڑ کر کہتے تھے ''غرھولاءِ دینھم'' انہیں ان کے دین نے جھلا دیوانہ کر دیا ہے، برین واش کر دیا ہے،انتہا پسند و جنونی بنا دیا ہے۔ تیرہ سالہ حضرت علی، سولہ سالہ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہم، بعد ازاں انہی کے نقشِ قدم پر چلتے سترہ سالہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ.... آخرت کا کیریئر بھی انہی عمروں میں بنا کرتا ہے، پھر تاریخ رقم ہوتی ہے۔ فاتح خیبر، فاتح ہندوستان، فاتح ایران.... ستر سال کے بوڑھے جرنیل نہیں ہوئے! وہ تو ہتھیار ڈالنا اور دنیا سنوارنا ہی جانتے ہیں مگر زبانیں نہیں رکتیں.....لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے پروردہ، مغرب کی ہیبت اور محبت کے اسیر ، گرین کارڈ اور سٹیزن شپ کے پیچھے دیوانہ وار لپکتے لوگ اس کے علاوہ کہہ بھی کیا سکتے ہیں.....؟ ہو نہہ کہتے ہیں کہ......

''اتنی بڑی طاقت کے سامنے سر پھرے بن کر کھڑے ہونے کا یہی انجام ہونا تھا! بچہ گنوا دیا'' لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جب اللہ کی طرف سے امتحان کا لمحہ آیا تو ماں نے فوراً کتاب کھول لی۔ عین اسی مقام پر رواں تبصرہ اور اس لمحے کی پوری چشم دید گواہی موجود تھی ،جب اس پھول کی پتیاں بکھریں۔

''اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو کہہ اٹھے وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بالکل سچی تھی اس واقعے نے ان کے ایمان اور سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔(یہ سب کچھ اس لیے ہوا)تاکہ اللہ تعالٰی سچوں کو اُن کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے۔بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔(الاحزاب ۲۲تا۲۴)

اللہ نے ہر اٹھنے والے اعتراض اور سوال کا جواب بہ زبانِ قرآن خود دیا۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کافروں کی سی باتیں نہ کیا کرو، جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل مارنے اور جِلانے والا تو اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگران ہے، اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرو بہر حال تم سب کو سمٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔'' (آل عمران:۱۵۶تا۱۵۸)

اور یہ کہ.....

''یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بند مارے گئے ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔ان سے کہو' اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے تو اسے ٹال کر دکھا دینا۔'' (آل عمران: ۱۶۸)

''ان سے کہہ دو کہ 'اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔''(آل عمران:۱۵۴)

ہمارا ایمان ہے کہ موت کا لمحہ اٹل ہے، عمر لکھی جا چکی ہے، وہ اللہ سے اتنی ہی عمر لے کر آیا تھا....نہ لمحہ کم نہ زیادہ، اگر خدانخواستہ اسے اجازت نہ دی جاتی تو وہ بلا اجازت چھپ کر چلا جاتا کیوں کہ شہادت اس کا مقدر ہو چکی تھی، اس کا جذبہ صادق تھا، وہ سرخرو ہو جاتا۔اور پھر جب جہاد فرض عین ہو چکا تو اسے والدین کی اجازت کی ضرورت بھی نہ تھی۔یہ تو اس کی سعادت مندی تھی کہ وہ دعائیں لے کر اور محبتیں دامن میں بھر کر ساتھ لے گیا۔اجازت نہ دینے پر گھر والے کس درجہ محروم رہ جاتے۔پناہ بخدا! اللہ کے راستے سے روکنے کے مجرم ہو جاتے۔منہ بسورتے تو گویا ناگواری کا برملا اظہار ہوتا۔پھر کس منہ سے سفارش کے طلبگار ہوتے؟کس طرح سے ''بیت الحمد''کی امید باندھتے؟یہ اللہ کی رحمت تھی کہ گھر کے ہر فرد نے اپنا یہ محبوب ترین کھلونا بہ رضا و رغبت اُس کے حضور پیش کر دیا۔کرتے کیسے نہ!کہ یہی ہر سال عید الاضحیٰ کی تربیت ہے۔اللّٰھم منک ولک''یااللہ تیری ہی عطا ہے اور تیرے لیے حاضر ہے''۔

ہر سال اپنا اور اپنی اولاد کی جانوں کا فدیہ قائم مقام پیش کرکے زبانِ حال سے یہ کہا جاتا ہے کہ ''اے اللہ!اس وقت یہ قبول فرمالے،جب ہماری اور ہمارے اسماعیل کی قربانی طلب کرے گا تو وہ بھی اسی طرح پیش کر دی جائے گی۔'' پھر پس و پیش کا کیا مقام رہ جاتا ہے!بلکہ سچ تو یہ ہے کہ

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہر سال حج کی ادائیگی کی تربیت اسی فدائیت کی تربیت ہے خواہ قربانی کی شکل میں ہو یا شیطان پر کنکریاں برسانے کی شکل میں....ہمارا فرض اپنے حصے کی کنکریاں پھینک کر پورا ہو جاتا ہے اور ہم سرخرو ہو کر لوٹ آتے ہیں۔ہمارے مصعب نے اپنا فرض ادا کرکے زبان حال سے یہ گواہی دے دی:

ابابیلیں ہیں ہم

بس اس قدر ہی فرض ہے ہم پر

کوئی کنکر

کوئی پتھر

ذرا ان ہاتھیوں کے لشکروں پر پھینک دیں اور پھر

اُفق کے پار جا پہنچیں

جہاں ساروں کو جانا ہے

حساب اپنا چکانا ہے!

ہمیں لیکن.....

محض زخمِ جگر اپنا دکھانا ہے

پھر اس کے بعد کی دنیا کا ہر منظر سہانا ہے!

وہ تو زخم جگر لے کر سہانے مناظر کی دنیا میں لوٹ گیا، جب کہ ہمارا امتحان باقی ہے۔ ہمارے حصے کی کنکریاں ہمیں کو مارنی ہیں، افق کے پار جانے سے پہلے پہلے۔ ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین

آخری نماز جو اس نے پڑھائی، اس میں ان آیات کی تلاوت کی تھی، جن کا مفہوم ہے:

''جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہلِ ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں' ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا کوئی موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔'' (آل عمران: ۱۶۹تا۱۷۱)

یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم نہیں تو کیا ہے کہ والدین جب دعا کرتے رہے کہ ''و اجعلنا للمتقین اماما''

''یا اللہ ! انہیں متقیوں کی امامت عطا فرما'' تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو مصعب کے حق میں قبول فرمایا کہ کم عمری کے باوجود حافظ ہونے کی بنا پر اس روئے زمین کے متقی ترین لوگ (مجاہدین) اسے نماز کے لیے آگے کر دیتے اور وہ ننھا سپاہی رفیع الشان لوگوں کی امامت کی سعادت حاصل کرتا۔ خود بھی روتا، اوروں کو بھی رلاتا۔

درج بالا آیات کی شانِ نزول کتنی سکینت بخش ہے کہ شہدائے احد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انہیں ہمارے حالات اور پر مسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے، تاکہ وہ جہاد سے اعراض نہ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تمہاری یہ بات ان تک پہنچا دیتا ہوں۔'' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (مسند احمد، ابی داؤد)۔ گویا یہ آیات شہدائے کا ایس ایم ایس ہے...... پیغام ہے رہتی دنیا تک۔

خوابوں کا ایک تسلسل ہے جو مختلف لوگوں نے دیکھے۔ قرآن و حدیث کے حسین وعدوں میں سب ہی نے اسے گھرا دیکھا۔ ایک ساتھی سے اس نے کہا: ''گندی غلاظت بھری دنیا سے نکل کر حسین خوب صورت جنت میں آ گیا ہوں۔''

قبائے نور سے سج کر، لہو سے باوضو ہو کر
وہ پہنچے بارگاہِ رب میں کتنے سرخرو ہو کر!

چھوٹی سی عمر میں حیا کا یہ عالم کہ محبوب ترین بھائی کی بیوی نے کہا: ''مصعب نے کبھی آنکھ اٹھا کر مجھے نہیں دیکھا، وہ ہمیشہ اتنی مہارت سے نگاہ بچا لیتا تھا اور ہمیشہ نظر دائیں بائیں پھیر کر بات کرتا، عمر میں چھوٹا اور گھر میں سب سے چھوٹا ہو کر بھی وہ ایمان میں بہت بڑا تھا۔''

نگاہ کی حفاظت نے ہی شاید اس دورِ پر فتن میں اسے حوروں کی چاہ بنا دیا، اس اجمال کی تفصیل تاریخ میں درج ایک واقعے سے ملتی ہے، جس میں اسی طرح کا ایک کم عمر مجاہد جو اللہ کے دین کی راہ میں وارفتگی کے ساتھ نکلا۔ ابو قدامہ، اس دور کے مجاہد کمانڈر جو اس واقعے کے راوی ہیں، اس نوجوان کو کھانے کی ڈیوٹی پر مامور کرتے ہیں اور جب اس کے پاس سے گزرتے ہیں تو اسے سویا ہوا پاتے ہیں۔ چولہے پر ہانڈی دھرے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہا تھا۔ اتنے میں ابو قدامہ نے اسے دیکھا کہ وہ نیند میں مسکرایا۔ مسکراہٹ بڑھی، پھیلی اور پھر کھلکھلاہٹ میں تبدیل ہوئی۔ وہ زور سے ہنس دیا اور اسی میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ حیران ہو کر وہ اٹھا اور امیر کو کھڑا پایا۔ انہوں نے اس سے مسکرانے اور ہنسنے کا سبب پوچھا۔ بصد پس و پیش نوجوان نے جس کا نام محمد تھا، بتایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں جنت میں بلا لیا تھا، مجھے ایک خوب صورت نوجوان لے کر چلا۔ ایک مقام پر پہنچ کر وہ رک گیا اور کہا کہ اس دروازے کے اندر خواتین ہیں، میں آگے نہیں جا سکتا، آپ کھٹکھٹا کر چلے جائیے۔ میں اندر داخل ہوا تو حسین و جمیل خواتین کے جھرمٹ میں تھا۔ حیران ہو کر پوچھا، کیا تم میری بیویاں ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہم تو تمہاری باندیاں ہیں اور تمہیں تمہاری بیوی کے پاس لے کر جائیں گے، پھر میں آگے لے جایا گیا۔ حسین مناظر، خوبصورت محلات اور پھر وہاں ایک ناقابلِ یقین حسن کی مالک خاتون متعارف کروائی گئی جس کا نام مرضیہ تھا...... مرضیہ نے مجھے بتایا کہ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے 'تمہاری اس خوبی کی بنا پر کہ تم نے دنیا میں اپنی نگاہ بچا کر رکھی ہے۔ میں آگے بڑھنے لگا تو مرضیہ کہنے لگی نہیں محمد تم کل میرے پاس آئو گے، آج لوٹ جائو۔ اسی تکرار اور ہنسی میں میری آنکھ کھل گئی اور میں لوٹا دیا گیا۔''

اگلا دن معرکے کا دن ہے۔ گھمسان کا رن پڑتا ہے۔ محمد اپنی عمر سے بڑھ کر بہادری کے جوہر دکھاتا ہے۔ امیر کے دل میں ایک محبت آمیز غم کی لہر اٹھتی ہے۔ جب وہ معرکے کے اختتام پر ڈھونڈتا ہوا محمد کو شدید زخمی حالت میں پاتے ہیں تو لپک کر اسے گود میں لے کر کہتے ہیں: ''محمد! میں نے کہا تھا ناں کہ تم ابھی چھوٹے ہو، جنگ بہت مشکل چیز ہے۔''

محمد کہتا ہے ''نہیں! میری ماں نے مجھے اسی دن کے لیے پالا تھا، میری قمیص کا یہ خون آلود ٹکڑا لے جائیے اور میری ماں کو بتائیے کہ میں نے اس کی تمنا پوری کر دی ہے، دشمن کے خلاف بہادری سے لڑ کر شہادت پائی ہے، جائیے........ وہ دیکھیے!! مرضیہ آ گئی مجھے لینے'' پھر محمد کھلکھلایا اور عروسِ شہادت کو گلے لگا لیا۔

مصعب کا قصہ بھی یہی ہے۔اس واقعے نے ماں کو بہو کا نام بھی بتا دیا، جس کی تلاش میں اس کی ماں کو گھر گھر پھرنا نہیں پڑا۔ دائمی ابدی بے مثل حسن والی، نگاہ کی حفاظت کا حق مہر لے کر راضی ہوگئی۔ مصعب کے ایک بزرگ نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت حسین اور خوش وخرم، چاند چہرہ لیے، حسین حوروں کے جھرمٹ میں اڑا اڑا پھر رہا ہے۔اس کی شجاعت اور بہادری کی گواہی اس کے ساتھیوں اور امیر نے دی کہ میدان جہاد میں کس صبر، پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ وہ کرتا رہا اور پھر قمیص کا وہ خون آلود ٹکڑا بھی ماں تک پہنچا، جس میں جنت کی خوشبو بسی تھی۔وہ حیران کن خوشبو جس کی مہک بند پلاسٹک کے لفافے سے باہر امڈ امڈ آتی تھی، وہ اس کی شہادت تھی۔اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بلکہ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ والی شہادت عطا کی، جس میں ماں کے حسین پھول کی ہر پتی بکھر گئی۔ہر پتی لاالہ کی زندہ گواہ تھی۔اس کے خون کی مہک وہی تھی کہ گلاب کی جڑوں میں پڑی مٹی سے کسی نے پوچھا کہ تم تو مٹی ہو، یہ خوشبو تم سے کیسے آتی ہے؟ تو مٹی نے کہا

جمالِ ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

جس رب سے عشق کا وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ تاکہ جب اس کے حضور حاضری ہو اور وہ پوچھے کہ :

''اے میرے بندے! تیرے اعضائ کیا ہوئے؟''تو وہ کہہ سکے، میرے مالک! وہ سب میں نے تیرے دین پر نچھاور کر دیے۔''ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

میرا نامۂ اعمال دیکھو ذرا، روشنی ہی تو ہے
میرا لاشۂ پامال سمجھو بھلا، زندگی ہی تو ہے
ہاں یہی زندگی ہے مرے دوستو!
میں نے سوچا تھا یہ
گر نہ دینِ مبین پر یہ ہوتی فدا
اور کس کام آنی تھی یہ زندگی

ہاں یہی زندگی، ہاں یہی زندگی

میرا خورشید یہاں ڈوب کر دوسرے افق پر طلوع ہو گیا۔ شہادتوں کی تابناکیاں اس امت کی تاریکیوں کا پردہ چاک کر کے رہیں گی لیکن..... خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔ اس سحر کے لیے غزہ، عراق تا افغانستان نوجوان پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں یہ ربک فکبر کی عملی تفسیر ہے۔ اللہ کی کبریائی کو اس زمین پر قائم کرنے کے لیے وسعتِ افلاک میں اٹھنے والی یہ تکبیرِ مسلسل کفر کی نیندیں حرام کیے دے رہی ہے۔ یہ کلمہ کی وہ قیمت ہے جو بہ رضا و رغبت اللہ کے وعدوں کو پالینے کے لیے ادا کی جاتی ہے۔

صبر اور اس کی قسمیں اور ان کے ذائقے جدا جدا ہیں۔ خونِ جگر دے کر اپنا اسماعیل پالو، جب وہ تمہارے روئیں روئیں، ہر بُن مومیں بس جائے تو اس محبت کو اس بڑی محبت کی چوکھٹ پر قربان کر دو۔ دل و جگر سے خون رِس رِس کر اس صبر کی آبیاری کرتا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

نارِ جہنم سے پناہ کے لیے صبر کی یہ گھاٹی اللہ کی مدد سے عبور کرنا واللہ آسان تر ہے۔ اللہ کے وعدے سچے ہیں۔ رب سلم کہتے کہتے بے شمار مائوں نے اپنے لعل و گہر ازل سے اس دین پر نچھاور کیے ہیں۔ ایک ایک ماں اس امتحان سے گزرتی ہے تو کہیں صبح طلوع ہوتی ہے۔ شمع بجھتی ہے تو پیمانِ سحر بنتی ہے۔

جس نے اس پھل کا ذائقہ چکھا ہے اس سے پوچھیے تو حقیقت یہ ہے کہ 'شیطان فقر سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے فضل اور مغفرت کے وعدے کرتا ہے' اللہ کے تمام تر وعدے سچے ہیں۔ و من اصدق من اللہ قیلا....... و من اصدق من اللہ حدیثا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے مصعب جیسے محبوب کی جدائی میں کتنی سکینت سے گھر کے ایک ایک فرد کو نوازا ایک وقت کا کھانا کسی نے نہ چھوڑا، نہ ہی ایک رات کی نیند کسی کی اڑی۔ نہ کبھی لقمے حلق میں اٹکے۔ ایک ہلکی سی کسک اگر کبھی اٹھی تو بس رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا کہنے کی دیر ہے کہ ایک تسکین کی مرہم ٹھنڈک کا احسان ہر بُن مو میں بھر گئی۔

وہ دور جس میں سعادتیں اور شہادتیں جرم بن جائیں، دین غربت اور اجنبیت کے اس دور میں داخل ہو جائے کہ فرائض تک کی پہچان جاتی رہے، ایسے میں اللہ تعالیٰ بڑھ کر غربت اور اجنبیت کے ان لمحات میں گویا اپنے بندے کا کمزور دل اپنے ہاتھ میں تھام کر قوی کر دیتا ہے۔ حبل الورید سے قریب تر اور 'ھو معکم' کا یقین دلانے والا انتہائی غم کا مداوا خود کرتا ہے۔ ورنہ لوگوں کے ردعمل امت کی حالتِ زار کے بسا اوقات عکاس ہوتے ہیں۔ ایک خاتون کہنے لگیں ''میں تو سمجھتی تھی کہ یہ راستہ صرف پہاڑوں میں رہنے والے کم پڑھے لکھے لوگوں کا راستہ ہے۔ میں تو کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ پڑھے لکھے خاندانوں سے بھی کوئی اس راستے کا راہی بن سکتا ہے! اب یہ سمجھانا بھی ضروری ٹھہرا کہ 'پڑھا لکھا' کون ہوتا ہے۔ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے پڑھا ہوا تو نرا ایک ڈھکوسلا ہی ہے۔ اصل تعلیم سے بے بہرہ۔ قرآن و حدیث سے ان پڑھ، نابلد۔ ایک مصنوعی غیر حقیقی دنیا کا باسی۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ مصعب نے فرسٹ ایئر کا امتحان تو دے دیا تھا لیکن اصلاًوہ تیاری دینی تعلیم ہی کی کر رہا تھا۔ عربی پر اتنی دسترس کر چکا تھا کہ بول سمجھ سکے اور ایک خوب صورت ترانہ بہترین عربی میں ماں کے لیے گا کر محفوظ کر گیا۔ فر فر انگریزی پر دسترس رکھنے کے باوجود محتاط رہتا کہ غیر ضروری انگریزی کے الفاظ کہیں ادا نہ ہوں۔ اگر ہماری زبان سے انگریزی پھسل جاتی تو وہیں روک ٹوک کر نقل اور چھیڑ خوانی کے لطیف پیرائے میں زچ کر دیتا۔ دوستی دشمنی کا عقیدہ خوب راسخ ہو چکا تھا۔ ایمان کے ساتھ ننھی عزت، سربلندی اور غیرت اس میں اتنے حسین اور خوب صورت رنگ لیے ہوئے تھی کہ آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

مصعب کی شخصیت کے دو حصے تھے۔ ایک شوخ کھلکھلاتا مصعب، دوسرا اللہ کے آگے زار و قطار گریہ زاری کرنے والا مصعب۔ دوسرے پہلو کی خبر اس کے احباب نے دی۔ امامت کرواتا تو آیات جہاد پڑھتا اور روتا۔ مسجد میں دیر تک رکا رہتا اور اللہ سے تنہائی میں راز و نیاز کرتا۔ بعض اوقات ایک خوشگوار حیرت مجھے گھیر لیتی ہے۔ یا اللہ! اتنی چھوٹی سی عمر میں اس نے ساری منزلیں سر کر لیں۔ تو نے اتنی جلدی اسے شرفِ قبولیت عطا کر دیا۔ مبشرات میں اس کی قدر و منزلت کے بے شمار خوابوں نے اس کے مقام کی یقین دہانی کروائی۔ شہادت بھی بہترین خالص کفر کے مقابل۔ پھٹے کپڑوں، گرد آلود بالوں کے ساتھ وہ حسین شہزادہ اللہ سے سودا کر گیا۔ اللہ اکبر کبیر او الحمد للہ کثیر او سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا وہ حسین جنت جو پہلے قرآن سے صفحوں پر انسیت کا سامان لیے ہوئے تھی، اب مانوس تر ہو گئی۔ جگر کا ٹکڑا استقبال کرنے کو وہاں پہنچ گیا۔ بس سانس رکتی ہے تو اس فکر و غم میں کہ ہم آخری لمحے تک ایمان کی حفاظت کر سکیں، اس کی قربانی کے شایانِ شان اعمال پیش کر سکیں، ایک ہم کہ جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ کے لیے بھی حسرت اور خوف سے دھڑکتے دل لیے تمنا اور دعا کریں، ایک وہ کہ آخرت کے سارے سوالوں کے جوابوں کی فر فر تیاری

کر کے جھٹ پٹ جا پہنچا۔ جوانی کس کام میں گزاری، مال کہاں سے کمایا، کہاں خرچ کیا، دین کا علم کتنا حاصل کیا اور اس پر کتنا عمل کیا۔ اب وہ ہیں اور شہدا کی تمام تر حیرت انگیز فضیلیہیں ہیں۔

مثلاً: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شہید کو پانچ ایسے اعزازات سے نوازا ہے جو مجھ سمیت کسی نبی کو بھی عطا نہیں ہوئے۔ ایک تو یہ ہے کہ تمام انبیا علیھم السلام کی ارواح ملک الموت نے قبض کی ہیں اور میری روح بھی وہی قبض کرے گا، لیکن شہدا کی ارواح کو اللہ اپنی قدرت سے جیسے چاہے گا قبض فرمائے گا، ان کی ارواح کو ملک الموت کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ وصال کے بعد تمام انبیا علیھم السلام کو غسل دیا گیا اور مجھے بھی غسل دیا جائے گا، لیکن شہدا کو غسل نہیں دیا جائے گا اور ان کو دنیوی پانی کی کوئی حاجت بھی نہیں۔ اور تیسرا یہ کہ تمام انبیا علیھم السلام کو کفن دیا گیا اور مجھے بھی کفن دیا جائے گا، لیکن شہدا کو کفن نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ اپنے کپڑوں ہی میں دفن ہوں گے۔ چہارم یہ کہ جتنے انبیا کرام علیھم السلام کا انتقال ہو چکا، ان کو اموات کہا گیا، لیکن شہید کو مردہ نہیں کہا جا سکتا اور پنجم یہ کہ انبیا کو شفاعت کا حق قیامت کے دن ملے گا اور میں بھی قیامت کے دن شفاعت کروں گا لیکن شہید ہر دن شفاعت کریں گے ان افراد کے بارے میں جن کا انہیں اختیار دیا گیا ہوگا۔ (تفسیر قرطبیؒ)

اپنے ہاتھوں اپنی اولادوں کو دنیا کے عارضی مستقبل کی خاطر امریکہ یورپ کی گندگیوں میں کھو دینے والے ذرا ایک نظر دائمی مستقبل کے یہ حسین نظارے تو دیکھیں۔ اس کے بعد کون عام موت مرنا چاہے گا کہ جس میں سکراتِ موت، قبر کی تنگی سے لے کر اگلے تمام مراحل کا خوف جان کا لاگو رہے۔

دوسری جانب یہ مامون گروہ ہے کہ جن کی شان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی:

یہ خوش قسمت شہدا ہیں جو اپنی تلواریں لٹکا کر عرش کے گرد ٹہل رہے ہوں گے۔ فرشتے ان کو یاقوت کے اونٹوں پر محشر کی جانب لے چلیں گے، جن کی زین ریشم سے نرم ہوگی اور ان کا ایک قدم آدمی کی منتہائے نظر پر ہوگا۔ وہ جنت کی سیر کریں گے اور کچھ دیر تفریح کے بعد وہ کہیں گے کہ ہمیں ہمارے رب کے پاس لے چلو تاکہ ہم دیکھیں کہ اللہ اپنی مخلوق میں کس طرح فیصلے کر رہے ہیں اور اللہ

رب العزت ان کو دیکھ کر مسکرائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دیکھ کر مسکراتے ہیں تو اس بندے سے کوئی حساب کتاب نہیں لیتے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

مصعب کی شہادت نے ہر ایک کو امتحان میں مبتلا کیا۔ایک سوال ہر ایک کے سامنے رکھا جس کا جواب باذن اللہ ہر ایک نے بساط بھر دیا۔بعض دنیادار عام انسانوں کے ایمان افروز رد عمل نے حیران کر دیا اور بعض دین دار پڑھے لکھے مسلمانوں کے عقلی رویوں نے پریشان کر دیا۔ مثلاً 'ابھی وہ چھوٹا تھا،اسے بھیجنا درست نہ تھا'۔ گویا اسے فیڈر چھڑوا کر گود سے اٹھا کر کوئی میدانِ جہاد میں رکھ آیا تھا۔ساڑھے سترہ سال کا یہ مجاہد کم و بیش محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا ہم عمر تھا جس کے ایمان اور شجاعت کے صدقے یہ پورا خطہ اسلام سے روشناس ہوا۔جس کا نام برصغیر کی تاریخ میں جگمگاتا ہے۔

کتابوں میں نام اور کارنامے بہت خوبصورت اور ولولہ انگیز محسوس ہوتے ہیں، لیکن ان معرکوں کی تپش کو ہم اپنے صحنوں میں اترنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ حتیٰ کہ امت کے دین دار عنصر کا ایک بہت بڑا حصہ کفر کی جانب سے آفتوں اور بلاؤں کو مسلم دنیا پر ٹوٹتا دیکھ کر بھی اسے جہاد تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔جب کہ قرآن، حدیث، تاریخ کے اوراق کھول کھول کر سامنے رکھ رہے ہیں۔ کم عمر بچے تو اس راز کو پا گئے ﴿اس دور میں عشق، عقل پر غالب ہوتا ہے﴾ لیکن اہل اسلام دم سادھے یوں بیٹھے ہیں کہ گویا:

'کیا اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کا چتر لگائے، فرشتوں کے پرے ساتھ لیے خود سامنے آموجود ہو اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟'(البقرۃ:۲۱۰)

نجانے کس نشانی کے ظہور کا انتظار ہے جو بے پردہ حقائق بھی نظر نہیں آرہے۔''بلکہ ان میں سے تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں۔ ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔'' ﴿القیامۃ:۵۲،۵۳﴾ دنیائے کفر تو یک جان و یک زبان ہے اور ہم سر پر کھڑے دشمن سے جان و مال بچا لے جانے کی فکر میں ہیں، حالاں کہ جانتے ہیں کہ آخرت میں یہ سب سر و سامان بہت تھوڑا نکلے گا۔

مصعب جب حیاتِ دنیا میں تھا تو جہاد کے حوالے سے کج فہمی اور ژولیدہ فکری (confusion) اس سے برداشت نہ ہوتی تھی۔ دنیا بھر کی بہترین کتابیں اس موضوع پر اکٹھی کر رکھی تھیں۔ سنتا، پڑھتا، دیکھتا یہی کچھ تھا۔ کبھی اسے کہتی بیٹا! تم تو براہ راست پانچویں منزل کی تعمیر میں جت گئے ہو، پہلی منزلوں پر بھی توجہ کر لیا کرو۔ تو ارکانِ دین اور سیرت کی بنیادی کتب کا نام لے کر کہتا، مجھے پتہ ہے کہ آپ کو یہ کتابیں پڑھانے کی فکر ہے، پڑھ لی ہیں میں نے۔ وہ براہ راست چوٹی سے مشاہدہ کر بیٹھا تھا۔ جو علم الیقین اور چوٹی کے اس پار نظر آنے والی جنت کا عین الیقین وہ جھانک کر حاصل کر چکا تھا، اس کے بعد اس کی نگاہوں میں دنیا ہیچ تھی۔ بڑے بڑوں سے اس موضوع پر الجھ جاتا۔ پورے اعتماد سے سوال وجواب ہوتے۔ اس لیے اس کے آگے ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑتی۔ ایمان ویقین سے بھرپور لہجہ دوسرے کو بے بس کر دیتا۔

کھانے پینے کا بے پناہ شوقین ہونے کے باوجود کبھی خاندان، گردپیش کے عام بچوں کی طرح میکڈونلڈ اور کے ایف سی جھانک کر بھی نہ دیکھتا۔ دوستوں سے بھی اس بات پر جھگڑ پڑتا، ناراض ہو جاتا کہ دنیائے کفر تمہارے مردوزن کے تکے بوٹیاں اڑائے اور تم ان کے برگروں پر جان چھڑکو، ان کی جیبیں بھروتا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں، اداروں سے لیس قوی تر معیشت' ہم پر میزائل برسائے!

جانے سے پہلے اس نے بھوک پیاس کی مشق شروع کر رکھی تھی۔ نفلی روزوں کے علاوہ بھی اکثر ناشتہ، کھانا گول کر جاتا۔ 'دیر ہو رہی ہے آکر کھالوں گا' کا غچہ دے جاتا۔ یہ تو بعد میں سمجھ آئی کہ میدانِ کارزار کی سختیوں کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔ پسندیدہ ترین چیز لا کر رکھتا، نکل جاتا، کھانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ یوں بھی جب سے بڑا ہوا تھا، نائن الیون کے بعد غموں کے ہاتھوں کھانے پینے کے اہتمام سکڑ چکے تھے۔ بڑے بچے جب چھوٹے تھے تو ان کی فرمائشیں پوری ہو ہی جاتی تھیں اور مصعب کبھی کبھار شکوہ بھی کرتا کہ روٹین سے ہٹ کر بھی کچھ بنا لیا کریں۔ اس کی یہ باتیں یاد کر کے ایک دن یہی کہا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ مصعب کھانے پینے کے شوق پورے کرنے آگے چل دیا ہے۔ دنیا میں اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ پیزے، برگر، باربی کیو بیچ کر جنت کی دائمی نعمتوں کا سودا چکا لیا۔ یہی سودے والی آیات اس کی وہ واحد تلاوت تھی جو تلاشِ بسیار کے بعد میسر آئی۔ نہایت خوب صورت قرأت کرنے والے بیٹے کی گھر میں کوئی بھی ریکارڈنگ موجود نہ تھی، جو ملی وہ ہمارے اور تمام پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اس کا ابدی، سرمدی پیغام تھا جو وہ دے گیا۔ جس کے حرف حرف پر اس نے عمل پیرا ہو کر دکھا دیا۔

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اوران کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ان سے ﴿جنت کا وعدہ﴾ اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے،تورات اورانجیل اور قرآن میں۔اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''(التوبۃ:۱۱۱)

اللہ کی راہ میں لڑنے،مرنے،مارنے کا سودا چکانے پر ملنے والی جنت کے وعدے کی طرف آج کا مسلمان مائل ہونے کو راضی نہیں‘جو یہ سودا چکالے اس سوداگری کو چھپانا ہوتا ہے کہ آج کی دنیا میں گھاٹے اور خسارے کے تمام سودے علی الاعلان اور خوش خبری والے سودے چھپ چھپ کر کیے جاتے ہیں۔حقیر دنیا کے ﴿عارضی﴾ نفع بخش سودوں پر مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔اس اخروی سودے پر جب اس کے بھائی نے لوگوں کو مٹھائی کھلانے کی بات کی تو لوگوں کی خشمگین نگاہوں کے خوف سے ہاتھ روکنا پڑا۔لوگ تو آتے ہی گلے لگ کر رونے لگ جاتے تھے۔انہیں پیار محبت سے اٹھا کر ''آداب دلاسہ شہادت'' سکھانے کی ضرورت ہوتی۔شہادت پر قبولیت کی دعا اور مبارک باد دی جاتی ہے،اس کا ادراک نہیں پایا جاتا۔ایسے میں اگر مٹھائی تقسیم کی جاتی تو نجانے کن القابات سے نوازے جاتے۔دنیا میں پلاٹ نکلنے پر تو خوشی منائی جاسکتی ہے،آخرت کا پلاٹ نکلنے پر منہ بسورا جاتا ہے۔تاہم ایسا نہیں ہے کہ یہ جدائی آسان ہے۔یقیناً ایک ہلکی سی کسک کہیں سر اٹھاتی ہے۔اللہ کے وعدوں پر یقین اسے آسان کر دیتا ہے ورنہ یوں اچانک چھوڑ کر چلے جانا اگر ہلکا پھلکا ہوتا تو اجر اتنے نہ ہوتے۔

مصعب کے ایک بڑے دینی بھائی نے اسے خواب میں یوں دیکھا کہ اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے،جن سے بے تحاشا روشنی پھوٹ رہی تھی اور اس کا چہرہ بھی اتنا چمک رہا تھا کہ نظر بھر کر دیکھا نہیں جا رہا تھا۔بھائی نے پوچھا:''مصعب کیا معاملہ ہوا؟تمہارے ساتھ کیا بنا؟''تو اس نے کہا''بس یوں سمجھیں کہ ہر فکر اور پریشانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی،تفصیل چھوڑیں بس یہ سمجھ لیں کہ ہمیشہ کے لیے عیش ہیں۔پھر جب اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ مقام کیسے ملا؟تو کہنے لگا کہ میں اپنی زبان کو مسلمانوں کے بارے میں منفی بات سے روکتا تھا اور اپنے دل میں بھی ان کے لیے کوئی برا جذبہ نہیں رکھتا تھا،نہ برائی سے تذکرہ کرتا تھا۔پھر اس نے مجاہدین کو نصیحت کی کہ دینی جماعتوں کے عام افراد سے اور عام مسلمانوں سے نرمی اور محبت سے بات کریں۔ان کے بارے میں زبان نرم رکھیں۔'' گلے مل کر دونوں علیحدہ ہو گئے،بھائی کا کہنا تھا کہ وہ بے حد بارعب لگ رہا

تھا۔ اگرچہ جوان تھا، بے انتہا خوبصورت لیکن شخصیت میں بزرگانہ رعب تھا۔ جاگنے کے بعد بھی گلے ملنے اور اسے پیار دینے کا منظر محسوسات میں تروتازہ تھا۔

مصعب کا اہل ایمان، اہل جہاد کے لیے یہ پیغام مسلمانوں کی اس وقت کی عین ضرورت اور ان دعائوں کا بھی مظہر ہے جو قنوتِ نازلہ کی شکل میں ہم اہل ایمان کے لیے مانگتے ہیں۔ خیر خواہی، باہم محبت، اللہ کی راہ میں صف بستہ..... کانھم بنیان مرصوص....!!

دو ڈھائی مہینے مصعب کی شہادت کو بیت چکے تھے، سب کی بے شمار دعائوں محبتوں اور اللہ تعالیٰ کے بے پایاں رحمتوں کے خزانوں نے حیرت انگیز طور پر بے قرار ہونے سے بچا رکھا تھا کہ ایسے میں ایک مضمون نظر سے گزرا۔ ضرور تاً پڑھتے پڑھتے اس مضمون کے آخری حصے تک نظر پہنچی۔ فاضل مضمون نگار نے اپنی اہلیہ کی موت پر درد میں ڈوب کر یہ شعر رقم کر رکھا تھا:

حیف درِ چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

درد و غم میں ڈوبا وقتِ رخصت لکھا گیا یہ شعر دل کے تار چھیڑ گیا۔ ضبط کا بندھن پہلی مرتبہ (اور ان شاءَ اللہ آخری مرتبہ) یوں ٹوٹا کہ ہچکی، سسکی تو نہیں لیکن آنسو بہہ کر چہرہ بھگو گئے۔ میں نے سوچا پچاس سالہ رفاقت چھوٹنے پر کہتے ہو، چشمِ زدن.... اور یہ کہ روئے گل سیر نہ دیدم! اس روئے گل کا حال تو مجھ سے پوچھو جس کی خوشبو جی بھر کر سونگھنے کی میرے پاس فرصت اور مہلت بھی نہ تھی اور جس کے لیے چشمِ زدن 'کا دور دور خیال بھی نہ گزرا تھا۔ لیکن بڑا فرق ہے اس میٹھے درد میں جو روئے گل کو لے کر ''بوئے خونِ شہید'' مجھے دے گیا (حیف کا لفظ یہاں غلط ہے) ہر آنے والے کی فرمائش پوری کرنے کے لیے وہ چھوٹا کپڑے کا خون آلود ٹکڑا پلاسٹک کے لفافے میں لپٹا ہوا جب اٹھاتی ہوں تو بے اختیار ''سبحان اللہ وبحمدہ'' زبان سے نکلتا ہے کہ میرے لعل کی خوشبو آج بھی اتنی ہی تروتازہ ہے، جتنی وقتِ شہادت تھی۔

ذلک ھو الفوز العظیم۔

میرا نامۂ اعمال دیکھو ذرا، روشنی ہی تو ہے
میرا لاشۂ پامال سمجھو بھلا، زندگی ہی تو ہے
ہاں یہی زندگی ہے مرے دوستو!
میں نے سوچا تھا یہ
گر نہ دینِ مبین پر یہ ہوتی فدا
اور کس کام آنی تھی یہ زندگی
ہاں یہی زندگی، ہاں یہی زندگی